22781
11/11

1

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ہر سال لوگ شکاری پرندے "باز" کا شکار کر کے اس کو مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ "زید" اور "عمرو" دو شکاری ہیں یہ جنگل یا پہاڑ میں "خالد" کی زمین کو اس شرط کے ساتھ شکار کے لیے لیتے ہیں کہ اگر شکار ہاتھ آیا تو فروختگی کے بعد "خالد" کو اتنی فیصد رقم دینگے، پھر یہ دونوں شکاری "بکر" کے پاس جاتے ہیں کہ آپ ہمیں شکار کا خرچہ فراہم کریں، اگر شکار ہاتھ آیا تو آپ کو بھی اتنی فیصد رقم دینگے، تو "بکر" ان کے لیے راشن پانی، گاڑی کا کرایہ وغیرہ کا انتظام کرتا ہے۔

یہ سارے معاملات طے کرنے کے بعد یہ دونوں شکاری یعنی "زید" اور "عمرو" جنگل یا پہاڑ میں "خالد" کی زمین میں جاکے ایک غار نُما گڑا کھود کر اس کے سامنے جال اور شکار پکڑنے کے پرندے نصب کر کے چالیس، پچاس دن وہاں گزارتے ہیں، اور شکار پکڑنے کے لیے ہر شخص باری باری شکار گاہ میں جاکر شکار کی تاک میں بیٹھا رہتا ہے، مثلاً اگر صبح "زید" اس گڑے میں جاکر بیٹھتا ہے تو شام کو "عمرو"۔ جب ایک شکاری غار میں شکار کی تاک میں بیٹھا ہوتا ہے تو اس کا دوسرا ساتھی قریب ہی ایک خیمہ کے اندر اپنے اور اپنے ساتھی کے لیے سالن وغیرہ پکا کر کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے، اب اگر ان دونوں شکاریوں میں سے کسی نے شکار پکڑ لیا تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو یہ سب حضرات، یعنی زید، عمرو، بکر اور خالد آپس میں فیصد کے حساب سے یا آدھا آدھا تقسیم کر لیتے ہیں۔

(۱) اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید اور عمرو کا خالد اور بکر کے ساتھ اسطرح کا معاملہ کرنا درست ہے؟ اگر نہیں تو اس کی جائز صورت کیا ہے، اور کیا شکار کے بعد ان پیسوں کو اس طرح تقسیم کرنا جائز ہے؟

(۲) اگر شکار ہاتھ میں نہ آئے تو کیا زید اور عمرو پر خالد اور بکر کی اُجرت لازم ہو گی؟ جبکہ انہوں نے سارے معاملات اس شرط پہ کیئے تھے کہ اگر شکار ہاتھ میں آئے تو ان کو رقم میں سے اتنی فیصد ملے گی۔ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، جزاکم اللہ خیرا۔

مستفتی: محمد عامر خان
پتہ: تحصیل اورماڑہ ضلع گوادر
رابطہ نمبر: 03433189466

دار الافتاء
فتویٰ نمبر ۱۹/۲۰۹۴

(جواب منسلکہ ورق پر ملاحظہ فرمائیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً و مصلیًا

﴿۱﴾۔۔۔سوال میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق "باز" کو شکار کرنے میں شرکت کی صورت درست نہیں، کیونکہ شرکت ان اشیاء میں درست ہوتی ہے جن میں وکالت درست ہو (یعنی شرکاء میں سے ہر شریک دوسرے شریک کا وکیل ہو سکتا ہو)، جبکہ شکار مباحِ عام چیزوں میں سے ہے، اسے پکڑنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہوتا ہے، اور مباح عام چیزوں کے حصول کے لیے ایک شخص کا دوسرے شخص کو وکیل بنانا شرعاً درست نہیں ہے، لہٰذا شرکت کی مذکورہ صورت سے اجتناب ضروری ہے۔

جہاں تک پیسوں کی تقسیم کا تعلق ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ زید اور عمرو میں سے جو شکار پکڑے گا وہی اس شکار کا تنہا مالک ہوگا۔ اور دوسرا شخص شکار پکڑنے میں معاونت اور سالن پکانے وغیرہ کی خدمات کی اجرتِ مثل کا حقدار ہوگا۔ نیز شکار پکڑنے والے کے ذمّہ صاحبِ زمین کو زمین کی اجرت مثل اور راشن اور کرایہ فراہم کرنے والے شخص کو راشن کی قیمت اور کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ [مأخذہ التبویب بتصرف:۱۸۴۴/۷۰]

الدر المختار -(۴ / ۳۲۵)

(لا تصح شركة في احتطاب واحتشاش واصطياد واستقاء وسائر مباحات) كاجتناء ثمار من جبال وطلب معدن من كنز وطبخ آجر من طين مباح لتضمنها الوكالة والتوكيل في أخذ المباح لا يصح
(وما حصله أحدهما فله وما حصلاه معا فلهما) نصفين إن لم يعلم ما لكل
(وما حصله أحدهما بإعانة صاحبه فله ولصاحبه أجر مثله بالغا ما بلغ عند محمد. وعند أبي يوسف لا يجاوز به نصف ثمن ذلك) قيل تقديمهم قول محمد يؤذن باختياره نهر وعناية.

درر الحكام في شرح مجلة الأحكام - (۳ / ۴۱۱)

وإذا عقدت الشركة في هذه الأشياء على تلك الصورة فكل ما يحصله أحد الشريكين منها بدون انضمام عمل الآخر يكون له خاصة ولا يشترك فيه الآخر، وإذا حصله أحدهما وأعانه الآخر فيكون المال لمن حصله وللآخر حق أخذ أجر المثل، ومقدار أجر المثل هذا يكون بالغا ما بلغ عند الإمام محمد لأن المسمى مجهول والرضاء بالمجهول لغو وقد استوفى منافعه بعقد فاسد فله أجره بالغاما بلغ (الطحطاوي) قيل " تقديم الفقهاء قول محمد يؤذن باختياره، سواء كانت الإعانة بعمل كالجمع والربط والقلع والحمل أو كانت بإعطاء آلة كالشبكة للصيد أو إعطاء حيوان للحمل.

(جاری ہے۔۔۔)

﴿۲﴾---چونکہ یہ شرکت فاسد تھی لہذا شکار ہاتھ نہ آنے کی صورت میں "زید" اور "عمرو" سے "خالد" اپنی زمین کی اُجرتِ مثل اور "بکر" اپنے راشن اور گاڑی کے کرایہ وغیرہ کا خرچہ لینے کا حقدار ہونگے۔

الدر المختار – (۶ / ۴۶)

(تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع) مما مر (يفسدها) كجهالة مأجور أو أجرة...

بدائع الصنائع، دارالكتب العلمية – (۴ / ۲۱۸)

وأما الإجارة الفاسدة، وهي التي فاتها شرط من شروط الصحة فحكمها الأصلي هو ثبوت الملك للمؤاجر في أجر المثل لا في المسمى بمقابلة استيفاء المنافع المملوكة ملكا فاسدا؛ لأن المؤاجر لم يرض باستيفاء المنافع إلا ببدل.

حاشية ابن عابدين – (۳ / ۱۳۵)

حكم الإجارة الفاسدة بشرط فاسد كمرمة دار أو بجهالة المسمى أو بعدم التسمية أو بتسمية نحو خمر والأجر خبر حكم والمراد به أجر المثل.

والله سبحانه وتعالى اعلم

محمد نعیم

محمد نعیم اور ماڑوی غفرلہ ولوالدیہ

دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

۱۳/ذوالقعدہ/۱۴۴۰ھ

16/جولائی/2019ء

الجواب صحیح

مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

۱۲/ذوالقعدہ/۱۴۴۰ھ

۱۶/جولائی/2019ء

دار الافتاء

فتویٰ نمبر ۱۶/۲۰۹۲

۱۴۴۰/۱۱/۱۶

۲۰۱۹/۷/۲۰

الجواب صحیح

۱۴/۱۱/۱۴۴۰ھ

الجواب صحیح

محمد یعقوب

۱۴/۱۱/۱۴۴۰ھ

مفتی

الجواب صحیح

۱۳/۱۱/۱۴۴۰ھ